گذشتہ سے پیوستہ

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ

تقی صادقی*
تلخیص و ترجمہ: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

مستشرقین نے اپنے قرآنی مطالعات میں تاریخ قرآن، قرآنی ادبیات، قرآن کریم کے ترجمے اور قرآنی مفاہیم و مطالب جیسے کئی موضوعات پر کام کیا ہے۔ قرآن کی تاریخ پر انہوں اس لیے کام کیا کیونکہ ان کا ذہن بشری تألیفات کے نظم و ترتیب سے مانوس تھا۔ لہٰذا قرآن کریم کے مطالعہ کے دوران وہ ایسا محسوس کرتے کہ گویا کہیں قرآن کی جمع آوری میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان کی کوشش یہ رہی کہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں اور آثار قدیمہ کے علوم و فنون کی مدد سے قرآن کے کسی اصلی نسخہ تک پہنچ پائیں۔ رہا قرآنی ادبیات کا سوال تو اس پر مستشرقین کا کام، زیادہ تر ایک طرح کا ذیلی کام تھا۔ قرآن کریم کے ترجمہ پر بھی مستشرقین نے خاصی توجہ دی اور اس کام کا پہلا مرحلہ، انیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے جبکہ اس کام کا دوسرا مرحلہ، بیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے جس میں کافی استحکام پایا جاتا ہے۔

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا وسیع ترین پہلو، قرآنی مطالب و مفاہیم کے بارے میں غور و خوض اور تحقیقات ہیں۔ ان مطالعات کو اپنی جگہ دو توصیفی اور تطبیقی مطالعات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تطبیقی مطالعات میں زیادہ تر قرآنی داستانوں پر بحث ہوئی ہے اور ان کا عہدین وغیرہ کی داستانوں سے موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ جہاں تک مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ اہداف اور مقاصد کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے سب مستشرقین پر ایک حکم جاری نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان میں سے بعض کے اس کام کے محرکات استعماری تھے تو بعض کلیسا کے زیر اثر تبشیری محرکات کے تحت یہ کام انجام دے رہے تھے۔ ایسا بھی تھا کہ بعض مستشرقین نے خالصتاً علمی اور تحقیقی محرکات کے تحت قرآنی مطالعات انجام دیے۔ قرآنی مطالعات میں مستشرقین نے جن مختلف علوم اور روشوں یا اسالیب سے استفادہ کیا ان میں آثار قدیمہ کا علم، زبانشناسی، نسخہ شناسی، خط شناسی اور ہرمینیوٹک کا علم شامل ہیں اور جن عمدہ روشوں کا سہارا لیا گیا ان میں پوزیٹیویزم، تاریخی مرمت کاری، ادبی روش اور تاریخ نجات کی روش شامل ہیں۔

---

* ۔ قونصلیٹ جنرل: ثقافتی قونصلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے موضوعات

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کو کسی ایک قرآنی موضوع میں محدود نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ ان مطالعات کو درج ذیل متفرق موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ تاریخ قرآن اور مربوط موضوعات

قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہوئے مستشرقین کو ایک عمدہ مشکل یہ در پیش رہی ہے کہ وہ قرآن کریم اور عہدین میں بہت نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں۔ اس مشکل کا پس منظر یہ ہے کہ عام طور پر ایک مستشرق، جس کا ذہن عہدین سے مانوس اور غیر مسلم تہذیب کا خوگر ہوتا ہے، قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس کے سامنے کوئی نامنظّم، بے ربط اور اجنبی سا متن موجود ہے۔ لہٰذا ایک ایسے قاری کی حیثیت سے کہ جس کا ذہن بشری تالیفات اور انسانی مکتوبات کے نظم و ترتیب سے مانوس ہوتا ہے، جب وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ کہیں قرآن کریم کی جمع آوری اور تدوین میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے یا قرآن کی عبارتوں میں کوئی نقص پایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مستشرقین عام طور پر قرآن کریم کے بارے میں سب سے پہلا فرضیہ یہ قائم کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور سوروں کی ترتیب و نظم و نسق میں کوئی خلل پایا جاتا ہے۔ لٰہذا ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں اور آثار قدیمہ کے علوم و فنون کی مدد سے قرآن کے کسی اصلی نسخہ تک پہنچ جائیں اور یوں قرآن فہمی میں موجود اپنی اس مشکل کو بر طرف کر سکیں۔ بنابرایں، مستشرقین کیلئے ایک دلچسپ موضوع یہ ہے کہ قرآن کیسے معرض وجود میں آیا، اس کی تدوین کیسے ہوئی، اس کے متن کا تسلسل کیسے قائم رہا اور اس میں قرائتوں کا اختلاف کیوں اور کیسے پایا جاتا ہے؟ ان سوالات کا جواب پانے کے لیے مستشرقین نے قرآن کی تاریخ اور اس سے مربوط موضوعات پر کافی کچھ لکھا ہے۔

اس حوالے سے فرانسس بوٹہ نے ابتدائی کوششیں انجام دیں۔ اس کے بعد Gastav wiel اور Teodor Noldeke نے اس کام کو جاری رکھا۔ نولدکہ نے کوشش کی تاکہ تاریخی مطالعات کی روشنی میں، اسلام کے روایي متون کی مدد سے، نیز زبان شناسی پر (فقہ اللغوی) مطالعات کے ذریعے، قرآنی متن کی تاریخ تک رسائی حاصل کرے۔ اس کے بعد Gotthelf Bergstrasser اور Otto Pretzl نے اُس کے کام کو جاری رکھا اور انہوں نے جرمنی زبان میں اپنی معروف کتاب "تاریخ قرآن" لکھی۔ Bergstrasser نے Bavaria کی تہذیب میں جو اہم کام انجام دیا، وہ قرآن کریم کے قدیمی ترین نسخوں کی جمع آوری تھا۔

البتہ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مستشرقین کی ان سب کوششوں کے باوجود نتیجہ صفر رہا۔ کیونکہ قرآن کریم کوئی بشری کلام تو تھا نہیں کہ اس میں انسانی تالیفات کا سا اسلوب کلام ڈھونڈا جاسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ تمامتر کوششوں کے باوجود مستشرقین کو قرآن کریم کے مختلف نسخوں کی جمع آوری سے کچھ حاصل نہ ہوا؛ کیونکہ ان نسخوں میں کوئی قابل ذکر اختلاف پایا ہی نہیں جاتا تھا۔

بہرصورت، مستشرقین نے قرآنی آیات اور سوروں کے نزول کی ترتیب معین کرنے اور ان میں بشری تالیفات کا سا ربط ایجاد کرنے کی غرض سے قرآن کے اسلوب، قرآن کی مکی و مدنی آیات کی خصوصیات، اسباب نزول، نسخ، نزول کی ترتیب بیان کرنے والی روایات، اور کئی تاریخی شواہد اور اسناد اکٹھی کیں۔ نیز مختلف قرائتوں کا مطالعہ کیا، ان قرائتوں کی تاریخ لکھی اور اس کام کی انجام دہی میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ قرآن کریم کی تاریخ کے حوالے سے مستشرقین کا کام اتنا وسیع ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر مستشرقین کی تالیفات کے بعد کسی اور مولف کی جانب سے اس موضوع پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکا۔ (1)

قرآن کی تاریخ پر کام کرنے کے حوالے سے Alphonse Mingana, Igna'c Goldzir, Joseph Schat, Harald Motzki اور John Wansbrough&John Burton کی تالیفات بھی انتہائی معروف اور قابل غور ہیں۔ ان کی کوششوں سے کئی نتائج لے گیے ہیں اور یہ نتائج، تاریخ قرآن کے حوالے سے بیان ہونے والے نظریات میں سرفہرست ہیں۔ (2)

۲۔ قرآنی ادبیات پر تحقیق اور کتب کی اشاعت

قرآنی ادبیات پر مستشرقین کا کام، زیادہ تر ایک طرح کا حاشیہ اور ذیلی کام تھا۔ اس معنی میں کہ اسلام کے معتبر منابع کا مطالعہ کرتے ہوئے بعض اوقات مستشرقین کو ان منابع کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا اور وہ ان منابع کو شائع کر دیتے یا ان پر کچھ تحقیق کر لیتے۔ اس حوالے سے Bergstrasser، Pretzl, Arthur Jeffery, Sprenger اور Fritagg کی کم نظیر سرگرمیوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے غایة النهاية فی طبقات القراء، ابن‌جزری؛ المحتسب، ابن جنی؛ المختصر فی شواذ القراءات، ابن‌خالویه؛ التیسیر فی القراءات السبع، ابوعمرو دانی؛ المقنع فی رسم مصاحف الامصار، ابوعمرو دانی؛ الایضاح فی الوقف و الابتداء، ابن‌انباری؛ فضائل القرآن، ابو عبید قاسم بن سلام؛

المصاحف، سجستانی؛ مقدمتان فی علوم القرآن، ابن عطیه؛ المحرر الوجیزفی تفسیر القرآن العزیز، ابن عطیه اندلسی؛ الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی؛ الفهرست، شیخ طوسی؛ کشف الاستار، شیخ طوسی؛ معانی القرآن، فراء اور اسرار التأویل و انوار التنزیل، بیضاوی جیسے آثار کے بارے میں تحقیقات کیں اور ان تحقیقات کو شائع بھی کیا۔(3)

ان سرگرمیوں کا ایک اہم پہلو قرآن کی لفظی اور موضوعی معاجم کی تالیف تھا۔ البتہ یہ کام زیادہ تر خود مستشرقین کے لیے مفید تھا یا کسی حد تک اس سے بعض کم آشنا مسلمانوں کو بھی قرآنی متن کے بارے میں موثر اور مفید راہنمائی مل جاتی تھی۔ اس حوالے سے Gustav Flugel کی کتاب "نجوم الفرقان فی اطراف القرآن" جو کہ قرآنی الفاظ کی ابتدائی معجم ہے اور اسی کے ماڈل پر مرحوم فواد عبدالباقی نے "المعجم المفہرس" ترتیب دی، قابل ذکر ہے۔ اگرچہ اس تالیف میں الفاظ کی ریشہ یابی کے حوالے سے کئی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہ کام اپنی جگہ ایک قیمتی کام تھا۔ اسی طرح فرانسوی مصنف Jull La baume کی کتاب "تفصیل آیات القرآن الکریم" میں بھی کوشش کی گئی کہ قرآن کریم کی پہلی موضوعی معجم مہیا کی جائے۔ اگرچہ اس تالیف میں بھی انتہائی اہم خامیاں پائی جاتی تھیں، لیکن پھر بھی یہ تالیف اپنے زمانے کی ایک بہت قیمتی تالیف شمار ہوتی تھی۔(4)

۳۔ قرآن کریم کا ترجمہ

استشراقی مطالعات میں قرآن کریم کا ترجمہ دو مختلف مراحل میں انجام پایا۔ قرآن کریم کے ترجمے کا پہلا مرحلہ، انیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس مرحلہ کے اکثر ترجموں میں قرآنی الفاظ کے نارسا مترادفات کی بھرمار ہے، نیز ترجموں کی زبان بھی کافی سنگین، متروک، ناقص اور ضروری استحکام سے عاری ہے۔ قرآن کریم کے ترجموں کا دوسرا مرحلہ، بیسویں صدی کے تراجم پر مشتمل ہے۔ البتہ اس مرحلہ کے ترجموں میں اس قسم کی بہت سی مشکلات دور ہوئیں اور کافی بہتر ترجمے وجود میں آئے۔ نیز اس دور میں مسلمانوں نے بھی قرآن کریم کے یورپی زبانوں میں ترجمے کیے اور کافی حد تک اچھے تراجم وجود میں آئے۔

۴۔ قرآنی مطالب پر غور و خوض

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا وسیع ترین پہلو، قرآنی مطالب و مفاہیم کے بارے میں ان کے مطالعات اور تحقیقات ہیں۔ ان مطالعات کو اپنی جگہ دو توصیفی اور تطبیقی مطالعات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ البتہ

تطبیقی مطالعات میں زیادہ تر قرآنی داستانوں کو طول تفصیل دی گئی ہے اور قرآن کی فراہم کردہ تاریخی معلومات کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مطالعات کو زیادہ پذیرائی ملی ہے اور ان مطالعات پر کافی ردّ و قدح بھی ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ان مطالعات میں ایسے مفاہیم اور مقولات کے بارے میں گفت وگو ہوئی ہے کہ جو عیسائی/ یہودی تہذیبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یقینا مستشرقین نے ان مقولات میں چونکہ عیسائی/ یہودی مفاہیم کو قرآنی مفاہیم و مطالب پر برتری دینے کی کوشش کی ہے، لہٰذا کافی مناقشات بھی وجود میں آئے ہیں۔ اس میدان میں جن مستشرقین نے قابل ذکر کام انجام دیا ہے ان میں Josef Horovitz, Adlo, Hard Gordonia, Barthelemy Saint Hialaire اور Raskaie قابل ذکر نام ہیں۔

قرآنی مطالعات کے پس پردہ مستشرقین کے اہداف و مقاصد

یہاں اس سے پہلے کہ ہم مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ اہداف اور مقاصد پر بحث کریں، اس نکتہ کی یادآوری ضروری ہے کہ کسی لکھنے یا کہنے والے کے اہداف و مقاصد پر بحث کرنے کا مطلب قطعاً یہ بھی نہیں ہے کہ پس اس نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے، غلط ہے؛ یا اس نے جو مسئلہ بھی اٹھایا ہے، وہ مسئلہ، سرے سے مسئلہ ہی نہیں ہے۔ یہاں یہ بحث چھیڑنے کا اصل ہدف یہ ہے کہ ہم مستشرقین کے کام پر نقد و تحلیل میں غلط نتائج لینے سے بچ سکیں۔ نیز ہمیں معلوم ہوسکے کہ کسی مصنف کی تصنیف پر کیا کیا عوامل اثر انداز ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقینا ہم مستشرقین کی تصنیفات کے تجزیہ و تحلیل کا کام نہ تنہا سادگی سے بلکہ منطقی اصولوں پر کر پائیں گے۔ بہر صورت، ہماری نظر میں مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے پس پردہ کارفرما اہداف اور مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔استعماری محرکات

بوڑھے استعمار کے عروج کے زمانہ میں استشراق کے پودے کا پروان چڑھنا، ان دو کا آپس میں ایک ایسا پیوند ہے جسے سمجھنا کا پیچیدہ کام ہے۔ استعمار نے ایک طرف تو مستشرقین کو اسلامی مناطق اور اسلام کے علمی تہذیبی ورثہ تک مستقیم رسائی کا موقعہ فراہم کیا اور دوسری طرف ان محققین کی تحقیقات کے نتائج سے اپنی سیاست اور فیصلوں میں استفادہ کیا۔ البتہ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم ایک مستشرق کو ایک جاسوس کی نظر سے ہی دیکھیں۔ بلکہ مستشرقین نے کوشش کی کہ اپنی مستقل حیثیت قائم اور اپنا علمی

مقام محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ سرکاری مستشرقین اور اکیڈمک مستشرقین میں فرق ہے اور یہ دوسرا گروہ استعماری جذبے سے کمتر آلودہ ہے۔ (5)

یہاں ایک اور نکتہ جس کی یادآوری ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مستشرقین کے جغرافیائی جنم بھومی کے لحاظ سے بھی ان کے اس استشراقی جذبہ اور ہدف میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جرمن مستشرقین، جرمنی کے استعماری ملک نہ بن پانے کی وجہ سے کمتر سیاسی محرکات سے آلودہ ہیں۔ لیکن اس کے برعکس، برطانوی مستشرقین، برطانیہ کی استعمار گری کی وجہ سے سیاسی محرکات سے زیادہ آلودہ ہیں۔

۲۔ تبشیری محرکات

اگرچہ یورپ میں جو تبدیلیاں آئیں، ان کے سبب کلیسا کا مقام و مرتبہ گر گیا، لیکن اس کے باوجود عیسائی مشنری یورپ کی سیاست کی خدمتگذار تھی اور یورپی استعمار کلیسا کے مبلغین کی تجوریاں بھرنے میں ان کا معاون تھا۔ لہٰذا عیسائی مبلغین کو استعمار نے یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ عالم مشرق تک پہنچیں اور یہاں فعالیت کریں۔ مستشرقین کے اس گروہ کی شناخت اور ان کے محرکات کی شناخت جس میں صلیبی جنگوں کی بازگشت بھی نظر آتی ہے، استشراق کے عمل کے تجزیہ و تحلیل میں بہت مددگار ہے۔

۳۔ علمی تحقیقی محرکات

علمی تحقیقی پیاس بجھانے کے ذاتی جذبہ کے ساتھ ساتھ، یورپ کے علمی حلقوں میں تحقیق کی فضا حاکم تھی اور علم کو مختلف شعبوں میں تخصصی کر دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ استشراق کا بازار پر رونق تر ہو گیا۔ اگر ہم آخری دہائیوں کی تالیفات پر ایک مختصر سی نظر بھی دوڑائیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ آج بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو بغیر کسی مادی اجر و پاداش اور محرک کے اور بغیر اس امر پر توجہ دیے کہ مسلمانوں کو ان کی قرآنی تحقیقات کے بارے میں کچھ خبر ہے بھی یا نہیں، اسلامی نظریات کا صرف اس لیے دفاع کرتے ہیں کہ وہ اس کام کو اپنا علمی فریضہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ حقیقت جوئی کا محرک

مستشرقین میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے محض حقیقت جوئی کے جذبہ کے تحت استشراقی مطالعات انجام دیے ہیں۔ اس حقیقت کے اثبات کے لیے محمد اسد، Leopold Weiss اور

Maurice Bucaille وغیرہ جیسے ان مستشرقین کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈال لینا کافی ہے جو مسلمان ہوئے ہیں۔

قرآنی مطالعات میں مستشرقین کے علوم و فنون

اس نکتے سے آشنائی بہت ضروری ہے کہ مستشرقین قرآنی مطالعات میں من و عن اسلامی روش کی پیروی نہیں کرتے قرآآنی مطالعات میں ان کا اپنا طریقہ کار ہے اور وہ قرآنی مطالعات میں اپنی سابقہ معلومات اور مطالعات کی مناسبت سے مختلف علوم و فنون کو استعمال میں لاتے ہیں۔ مستشرقین قرآنی مطالعات میں جن علوم سے استفادہ کرتے ہیں وہ ایسے مستقل علوم ہیں جن سے مستشرقین مختلف قرآنی موضوعات کا تجزیہ و تحلیل کرنے میں مدد لیتے ہیں۔ قرآنی مطالعات میں مستشرقین جن علوم اور جن روشوں (Methods) سے استفادہ کرتے ہیں، ان میں سے ہر علم و فن کی اپنی مخصوص فلسفی، کلامی اور علمی بنیادیں ہیں کہ جب ان علوم و فنون سے استفادہ کرتے ہوئے قرآنی مطالعات انجام دیے جائیں تو مخصوص نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان علوم و فنون سے دقیق آشنائی حاصل کر لیں جن کا سہارا لے کر مستشرقین قرآنی مطالعات انجام دیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں پر نقد و تبصرہ کا یہ ایک عمدہ رکن ہے۔ اس تناظر میں ہمیں یہاں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسے مہم ترین علوم اور کون سی اہم روشیں یا اسلوب ہیں کہ جن سے مستشرقین نہ تنہا قرآنی مطالعات میں بلکہ دیگر مقدس متون کے مطالعہ میں بھی استفادہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ان علوم اور اسالیب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ علوم

ا۔ آثار قدیمہ کا علم

1. آثار قدیمہ کے علم میں زمین کھود کر، قدیمی شواہد تک رسائی کے ذریعے اور ان کے کشف کے ذریعے تاریخی معلومات کی درستگی یا عدم درستگی کے تعین کا معیار فراہم کیا جاتا ہے۔ تاریخی مطالعات میں ہمیشہ اس علم سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ آخری دور میں اس علم نے مقدس متون کے انتقادی مطالعات میں دو فریضے انجام دیے ہیں: پہلا، قدیمی نسخوں کی دریافت کے ذریعے مقدس متون کی تصحیح اور تحقیق میں مدد؛ اور دوسرا، مقدس متون میں بیان شدہ تاریخی معلومات کی صحت اور

بطلان کے معیار کی تعیین۔ اگرچہ ابتداء میں ارباب کلیسا مقدس متون کے مطالعہ میں اس علم کے استعمال پر راضی نہ تھے، لیکن جب واضح ہو گیا کہ اس علم کے توسط سے کشف شدہ معلومات میں اور عہدین میں بیان شدہ مطالب میں کوئی خاص اختلاف نہیں پایا جاتا تو انہوں نے بھی اس علم کو خوش آمدید کہا۔ (6)

2. جہاں تک قرآن کریم کے مطالعہ میں آثار قدیمہ کے علم سے استفادہ کا تعلق ہے تو آثار قدیمہ کے علم میں قرآن کریم کے حوالے سے مطالعات، دوسری عالمی جنگ سے پہلے شروع ہوئے۔ لیکن جنگ کی وجہ سے یہ کام جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی کئی سالوں تک معطل رہا۔ بہرصورت، مستشرقین کی محدود کوششوں کے نتیجے میں قرآن کی بیان کردہ تاریخی معلومات کے بارے میں کئی انکشافات ہوئے اور ان انکشافات میں سے اکثر نے قرآن کریم کی بیان کردہ معلومات کی تائید کی۔ (7)

البتہ اس علم کی تحقیقات کی روشنی میں بعض ایسی شہادتیں بھی ملیں جو قرآن کریم کی فراہم کردہ معلومات سے ہماہنگ نہ تھیں اور یوں کئی مناقشات اور مباحث وجود میں آئیں۔ مثال کے طور پر Smith نامی ایک شخص نے ایک مقالہ میں دعوی کیا کہ آثار قدیمہ کی کاوشوں کو قدیم اسلامی مساجد میں دوسری صدی کے اختتام تک قبلہ کی تغییر کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اس مقالہ کے نتیجہ میں قرآن کریم میں تحریف کا شبہہ سامنے آیا۔ (8)

۲۔ زبان شناسی

اگرچہ کافی عرصہ سے مسلمانوں میں زبان شناسی کے موضوع پر مطالعات جاری تھے لیکن جدید Linguistics نے ایک طرف قدیم اطلاعات پر نظر ثانی کرتے ہوئے اور دوسری طرف نئے موضوعات پیش کرکے مقدس متون، منجملہ قرآن کریم کی زبان کے بارے میں جدید نظریات دیے۔ یہاں تک کہ بعض مقامات پر تو جدید زبان شناسی نے مسلمان دانشوروں کے اس شعبہ میں کام کے نقائص کو بھی برطرف کیا۔ مثال کے طور پر Foriegn vocabulary of the Quran کے باب میں Arthur Jeffery اور Alphonse Mingana کی تالیفات نے ایسے کئی حقائق کو ہمعصر دانشوروں پر واضح کیا ہے

اور یوں یہ تالیفات قرآن کریم کی زبان شناسی پر مطالعات کو جاری رکھنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔(9)
اسی طرح قرآن کی زبان کی شناخت میں Teodor Noldeke کے قائم کردہ معیار نے بھی اسے لہجوں کی محدودیت سے رہائی بخشی اور قرآن کی زبان کے بلند و بالا اور عالی مقام کا خوب تعارف کروایا۔ تاریخی زبانشناسی اور معنی شناسی Historical linguistics & Hermeneutics کی مہارتوں کا سہارا لیتے ہوئے Toshihiko Izutsu جیسے دانشور، قرآن کے مطالب کی تحلیل میں ایک نئی روش استعمال کرنے میں کامیاب ہوئے۔(10)

قرآن کی زبان کے مختلف لہجوں کی تشخیص میں بھی مستشرقین کی کوششوں کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مقدس متون کی زبان کے افسانوی یا حقیقی ہونے کے بارے میں جب عیسائی الہیات کی مباحث نے وسعت پائی تو یہ مباحث جہان اسلام میں بھی چھڑ گئیں اور کئی مناقشات سامنے آئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ خلف اللہ جیسے مصنفین نے بھی یورپی دانشوروں کی بعض مباحث سے متاثر ہو کر یہ دعوی کیا ہو کہ قرآن کی زبان، بالخصوص قرآنی قصوں کی زبان، افسانوی زبان ہے۔(11) کیونکہ خلف اللہ سے پہلے بعض یورپیوں نے یہ دعوی کیا تھا کہ قرآن کی زبان افسانوی زبان ہے کیونکہ قرآن کی بعض داستانیں سابقہ کسی مقدس متن میں بیان نہیں ہوئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن میں مکمل طور پر ایک ادبی روش کے ذریعے خارجی حقائق کو آرائش بخشی گئی ہے۔

البتہ ان تالیفات میں بعض ایسے نظریات بھی پیش کیے گئے ہیں کہ جنہیں کبھی بھی علمی اعتبار حاصل نہیں ہو سکا؛ یہاں تک کہ خود یورپ میں بھی ان باتوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ حال ہی میں ایک شخص نے "Christoph Luxenberg" کے مستعار نام سے "قرآن کی آرامی سریانی قرائت" نامی ایک کتاب چھاپی ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ اس نے بھی "Christoph Clomb" کی طرح کوئی بہت بڑے انکشاف کیا ہے۔ یہ شخص Folouz جیسے افراد کے فراموش شدہ نظریات کی روشنی میں دعوی کرتا ہے کہ: پہلے تو قرآن کی عربی زبان وہ نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ قرآن جس تہذیب میں نازل ہوا، وہ سریانی تھی۔ لہٰذا قرآن کو سریانی تہذیب اور زبان کے تناظر میں نئے سرے سے قرائت کیا جائے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے یہ کام تفسیر کے کام میں عقدہ کشائی کرے۔(12)

۳۔ نسخہ شناسی اور خط شناسی

مقدس متون کے بارے میں مستشرقین کاایک وہم و گمان یہ رہاہے کہ ہو سکتاہے رسم الخط کی تبدیلیوں، قدیمی متون کے گوناگون نسخوں، گذر ایام اور زمانے کے حوادث نے ہمیں مقدس کتابوں کے اصلی متون تک رسائی سے محروم کر دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سب زبانوں اور تہذیبوں میں نسخہ شناسی اور خط شناسی کی مہارت نے متون کی تصحیح میں مدد کی ہے۔ ان مہارتوں کی روشنی میں بعض اوقات یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ مثال کے طور پر فلاں متن کا فلاں حصہ اصلی اور فلاں غیر اصلی ہے۔ اس روش میں انہی اصولوں کی روشنی میں بعض اوقات ایک نسخے کو دوسرے نسخہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ فرضیہ قائم کیا جاتا ہے کہ مثال کے طور پر اگر فلاں کلمہ کی بجائے، فلاں کلمہ ہوتا تو یہ کلمہ معنی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

یورپیوں نے غیر اسلامی مقدس متون کی تصحیح میں تو یہ روش اپنائی ہی لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ان کے دامن گیر ہوا کہ قرآن کریم کے مقدس متن پر بھی یہ تجربہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار ایسی کوششیں انجام بھی دیں۔(13) چونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن بھی ایک قدیمی کتاب ہے جس کا متن چودہ سو سال پرانا ہے۔ البتہ قرآن کریم کے باب میں اس کام کی بہت مخالفت ہوئی کیونکہ اس روش میں قرآن کریم کی ماہیت سے غفلت برتی گئی۔ درحقیقت، قرآن کریم اور دیگر مقدس متون میں فرق ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم متواتر روایت کے ذریعے نقل ہوا ہے اور قرآن کا متواتر نقل، اس کے متن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے متن کے حوالے سے کوئی بھی اصلاحی تجویز علمی معیار کے مطابق نہیں ہے۔

۴۔ ہرمینیوٹک (Hermeneutic)

ماضی میں ہرمینیوٹک سے مراد، کتاب مقدس کی تفسیر کا علم تھا۔ لیکن بعد میں یہ کلمہ ہر متن کی تفسیر کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ قرآن کریم کی تفسیر کے باب میں عمدہ ہرمینیوٹک روشیں عبارت ہیں:

ا۔ سنتی ہرمینوٹک (Traditional Hermeneutic): اس روش کے پیش گام Schleiermacher اور Wilhelm Dilthey ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ: اولاً، ہر متن کاایک حتمی معنی ہوتا ہے اور یہ معنی قابل دسترسی نہیں ہوتا۔ ثانیاً: متن اکیلے میں مؤلف کی مراد تک نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ زبان اور کلمات،

مؤلف کی سوچ اور عالم واقع کے درمیان واسطے اور (رکاوٹ) بن جاتے ہیں۔ بنابرایں، کلمات، فکر کے عینی پہلو کی ترجمانی کرتے ہیں اور اندیشہ اس کے ذہنی پہلو کی۔ پس مؤلف کا اصلی مقصد سمجھنے کے لیے متن کے بارے میں ادبی مطالعات بھی انجام دینا چاہیں اور اس متن کی تخلیق کے تاریخی پس منظر اور اس کے مؤلف کی خصوصیات و احوال کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ مستشرقین نے یہ روش عہدین اور بالخصوص انجیل کے بارے میں تو اپنائی اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کے بارے میں بھی یہی روش اپنائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اپنے مطالعات میں قرآن کی تخلیق میں پیغمبر اکرم (ص) کے وجود کو دخیل سمجھتے ہیں۔ مستشرقین اب میں "ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیك وحیه..." جیسی آیات کو بطور شاہد لاتے ہیں۔ (14)

۲۔ تأویل گرایانہ ہرمینیوٹک: اس نظریہ کے پیش گام، Hans-Georg Gadamer کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر مفسر کے اپنے مفروضات اس کی تفسیر کی نوع معین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود متن سے کوئی حتمی معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ: اولاً، مفروضات میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ اور ثانیاً، انسان کا متن سے رابطہ دو طرفہ اور ڈیالکٹک ہے، نہ کہ یکطرفہ اور اوپر سے نیچے۔ بنابرایں، مفسر کا کام تو بس متن سے پیغام اخذ کرنا ہے۔ اور جب ایسا ہے تو الفاظ اپنی اصالت کھو بیٹھتے ہیں۔ عیسائی متکلمین نے عہدین کے مطالعہ اور تفسیر میں اس روش کو اس لیے اپنایا تاکہ ان متون میں موجود اخلاقی نزاکتوں اور تاریخی تناقضات سے بچ سکیں اور ان متون کو درپیش چیلنجز سے نجات دلا سکیں۔

بعض مستشرقین قرآن کا الٰہی کلام ہونا ثابت کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ قرآن کی تاریخی مشکلات سے نجات پانے کے لیے اسی روش اور طور طریقوں کو استعمال کریں جو عہدین کی تفسیر میں استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کے خداوند تعالی کی طرف سے ہونے کے نظریہ سے ہاتھ اٹھالیں۔ کیونکہ اولاً، مقدس متون، زبانی (linguistic) آثار ہیں؛ ثانیاً، زبان بھی تو ایک بشری حقیقت اور انسانی تجربہ ہے۔ اور ثالثاً، مقدس متون کا ہدف، مخاطبین کو گمراہی سے نجات دلانا ہے اور جو چیز جاودانی ہے، وہ پیغام ہے نہ کہ الفاظ۔ (15)

۲۔ اسالیب

جس طرح کہ مستشرقین اپنے قرآنی مطالعات میں مذکورہ بالا علوم کا سہارا لیتے ہیں، اسی طرح اس حوالے سے انہوں نے کئی اسالیب (Methods) کا بھی سہارا لیا ہے۔ ذیل میں ان روشوں اور اسالیب میں سے بعض کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

ا۔ پوزیٹیوزم (Positivism)

وجودی فلسفے کے پیروکار فلاسفرز کا عقیدہ یہ ہے کہ شناخت کا تنہا سرچشمہ، حس اور تجربہ ہے۔ اور جن معلومات میں بھی یہ اصول کارفرمانہ ہو، وہ فاقد معنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مطابق اکثر کلی باتیں اور دینی تعلیمات بے معنی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں دیکھا، چھوااور لیبارٹری میں آزمایا نہیں جاسکتا۔ جہاں تک پوزیٹیوزم اور قرآن مطالعات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے اس فن سے قرآنی تعلیمات اور قرآنی علوم دونوں میں استفادہ کیا گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی تائید یا تردید کے حوالے سے اس فن کو بروئے کار لانے کا نتیجہ، قرآن کریم کی افراطی سائنسی تفاسیر ہیں؛ ایسی تفاسیر کہ جن میں اکثر ماوراء الطبیعی حقائق کا انکار کیا گیا ہے۔اسی تناظر میں بعض مستشرقین کا کہتے ہیں کہ قرآن نے جہاں کہیں فرشتوں، جن اور شیطان جیسے ماوراء الطبیعی موجودات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہاں قرآن ان مفاہیم کی تائید نہیں کرتا بلکہ یہ مفاہیم چونکہ اعراب جاہلی کی تہذیب سے استعمال ہوتے تھے لہٰذا عربوں کی تہذیب کے پیش نظر یہ مفاہیم انہیں سمجھانے کے لیے تفہیم کی غرض سے لے لیے گئے ہیں۔

قرآنی علوم میں بھی مستشرقین نے تمام کلی احکام کا انکار کیا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان احکام کے معنی دار ہونے کے لیے ایسے جزوی احکام سے استفادہ کرنا چاہیے جن پر تجربہ کیا جاسکے۔(16)

تاریخی مطالعات میں بھی مستشرقین فقط ان تاریخی نوشتہ جات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو قابل تجربہ و احساس ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی مرمت شدہ تاریخی سند وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ تاریخی مرمت کاری کی روش

یہ فن جس سے عام طور پر تاریخی مطالعات میں استفادہ کیا جاتا ہے، معتقد ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ جو منابع ہماری دسترس میں ہوتے ہیں وہی بہترین اور اصیل ترین منابع ہوں؛ بلکہ ان منابع کے مقابلے میں کہ جو حکومتوں اور اکثریت کے تائید یافتہ ہوتے ہیں، کچھ ایسے تاریخی حقائق بھی پائے جاتے ہیں

جنہیں یا کسی نے تحریر نہیں کیا ہو تا یا کچھ لوگ اپنے خاص اغراض و مقاصد کے تحت انہیں تحریر ہونے نہیں دیتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ لکھے گئے یہی نوشتہ جات ہی مہم تر اور اصیل تر منابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس فن کے ماننے والے مکتوب و نا مکتوب منابع کی نسبت آثار قدیمہ وغیرہ کی روشنی میں تاریخی کشف و شہود کی اساس پر مرمت شدہ منابع پر کہیں زیادہ یقین ہے۔

بنابرایں، ممکن ہے تاریخی مشہورات کے مقابلے میں ایسے حقایق بھی پائے جاتے ہوں جو تاریخی حقائق کو نظم بخشیں۔ (17) اس طرح کے مطالعہ کا نمونہ Ignacio Olague کی کتاب "اسلامی تمدن کے نشیب و فراز کی سات صدیاں" میں پایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر دانشمندوں نے اس روش کو مثبت انداز میں لیا ہے لیکن اگر یہ روش ٹھیک طرح سے استعمال نہ کی جائے اور اس کے اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے تو غیر علمی نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر مستشرقین کی قرآن کے بارے میں اسی روش پر مبنی تاریخی رپورٹس میں کئی غیر مناسب اور غیر منطقی حدسی و گمان دیکھے جاسکتے ہیں۔

Richard Bell کے گمان کے مطابق قرآن کریم کی غیر مربوط آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ قرار پانا، تنہا ایک کتبی غلطی ہے اور وہ یہ کہ آیات کے نزول کے بعد پیغمبر اکرم (ص) معین فرمادیتے تھے کہ ان آیات کو کس سورہ میں کہاں درج کیا جائے لیکن چونکہ بعض اوقات کاتب بعد میں نازل ہونے والی آیات کو پہلے سے لکھی آیات کے درمیان نہیں لکھ سکتا تھا (کیونکہ جگہ نہ ہوتی تھی) تو انہیں کاغذ کی پشت پر لکھ دیتا۔ لیکن بعد میں آنے والے نسخہ برداروں کو اس امر کا خیال نہ رہتا۔ اور جب آخر پر انہیں یہ خیال آتا تو وہ ان آیات کو بغیر کسی مناسبت کے کسی نہ کسی جگہ لکھ دیتے۔ (18) اسی طرح حروف مقطعات کے بارے میں اپنی ذہنی مرمت کاری کی بنیاد پر Noldeke کا عقیدہ ہے کہ یہ حروف، ان صحابہ کے نام ظاہر کرنے کا رمز ہیں جن کے مصاحف میں یہ سورتیں استثنائی طور پر موجود تھیں۔ البتہ بعد میں Noldeke نے Loth اور Bauer کے نظریات کی روشنی میں اپنے اس غیر علمی نظریہ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے باوجود اس کے Pretzl جیسے شاگردوں نے اپنے استاد کے سابقہ نظریہ پر ہی اصرار کیا۔ (19)

۳۔ ادبی معیار پر قرآن کے مطالعہ کی روش

سنتی (Traditional) معیار کے مقابلے میں ادبی (Literal) معیار پر قرآن کے مطالعہ کی روش کا دعوی یہ ہے کہ کسی بھی متن کا مطالعہ، فقط متن کو محور بنا کر کرنا چاہیے اور اس میں "سنت" کو دخالت دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس روش میں "سنت" کا مطلب متن سے چپکے وہ پیوند ہیں جن کی پیدائش میں

قاری کی سابقہ معلومات، روایات اور افسانوں اور داستانوں کی تاریخ کے بارے میں مفروضات، نیز تہذیبی اوضاع و احوال دخیل ہوتے ہیں۔ ایسے عوامل کسی بھی متن کے مطالعہ کے دوران ہمیشہ قاری کے ذہن کو ایک خاص سمت میں حتی کہ متن کے مخالف سمت میں کھینچتے ہیں۔ اس کا واضح نمونہ سورہ یوسف (ع) کی آیت ۵۳ ہے کہ جس کے بارے میں ہمیشہ یہ سمجھا جاتا رہا کہ اس اآیت میں حضرت یوسف کی باتوں کا ایک اقتباس بیان ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس کے بارے میں گوناگوں کلامی بحثیں جاری رہیں۔ حالانکہ ایک ادبی مطالعہ کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے یہ کلام، یوسف کا کلام نہیں، بلکہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا کلام ہے۔ اور جب ایسا ہے تو ان کلامی بحثوں کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جو اس آیت کے ضمن میں کی گئی ہیں۔ اس روش کے مقابلے میں قدیم روش کے قائلین کا دعوی ہے کہ اگر "سنتوں" کا خیال نہ رکھا جائے تو ممکن ہے متن سے مؤلف کے مقصود کے بالکل برعکس مفہوم نکال لیا جائے۔ جیسا کہ متشابہ آیات، نسخ اور حتی کہ آیات الاحکام کے باب میں ایسے اشکالات پیش آئے ہیں۔

مستشرقین میں سے جو لوگ ادبی روش سے قرآن کے مطالعہ کے پیروکار ہیں ان میں سے قرآن کریم کے جرمن زبان میں مترجم Rudi Paretاور روسی زبان میں قرآن کریم کے مترجم I. Yu. Krachkovski قابل ذکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے ترجمہ میں کسی بھی تفسیر کا سہارا نہیں لیا۔ (20)

روش سے استفادہ کرتے ہوئے آخری سالوں میں چھپنے والی مہم ترین کتاب "قرآن میں بیان شدہ دینی مفاہیم کا ادبی ڈھانچہ" The Structure of Religious Concepts in Quran ہے۔ مسلمانوں میں سے امین الخولی، محمد خلف اللہ، ابوزید اور بنت الشاطی جیسے مصنفین نے یہ روش اپنائی جن کی تألیفات پر جہان اسلام میں کئی بحثیں چھڑیں۔ (21)

اس پورے منظر نامے میں Toshihiko Izutsu جیسے لوگ کہ جنہیں مذکورہ بالا دونوں روشوں میں پائی جانے والی خطاوں اور نواقص کا ادراک تھا، انہوں نے تاریخی زبانشناسی کے نظریہ اور معنی شناسی کی مہارت سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جدید روش کے مطابق قرآن کے ادبی مطالعہ کا آغاز کیا اور "قرآن میں خدا اور انسان" اور "قرآن مجید میں دینی اخلاقی مفاہیم" جیسی قیمتی تالیفات چھوڑیں۔ اس روش میں متن سے چپکے تمام غیر زبانی (Non-literal) قرینوں سے استفادہ ترک کر دیا گیا اور نتیجہ یہ کہ ایزتسو کے مطابق غیر زبانی پیوند ایسے پیوند ہیں جو متن کی پیدائش کے بعد وجود پاتے ہیں۔ اس کے مطابق زبانی

پیوند اور غیر زبانی پیوند کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جیو گرافی، سوشیالوجی نیز ان تاریخی مطالعات سے بھی استفادہ کیا جائے جو متن کی پیدائش کے ہم عصر تھے۔

۴۔ تاریخ نجات کے نظریہ کی بنیاد پر قرآن کا مطالعہ

تاریخ نجات (Salvation History) کی اصطلاح John Wansbrouh کے توسط سے اسلامی منابع، منجملہ قرآن کے بارے میں استعمال ہوئی ہے۔ یہ ایک عیسائی اصطلاح ہے۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی دینی متن اس وقت تک تشکیل نہیں پاتا جب تک ایک امت کی تشکیل نہ پائے اور اس امت کو اس متن کی ضرورت پیش نہ آجائے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر کسی بھی دین کے پاس ابتداء میں کوئی متن نہیں تھا بلکہ ان کی بنیاد زبانی کلامی پیغاموں پر رکھی گئی۔

جب ان ادیان کے پیروکار وجود میں آتے ہیں تو ایک طولانی عمل کے دروان ایک امت تشکیل پاتی ہے اور نتیجہ میں اس امت کو اپنے عقائد کو نظامند کرنے اور اپنے دینی احکام کو مرتب کرنے کی نوبت آتی ہے۔ تب جا کر زوائد اور غیر رسمی نظریات کو حذف کرکے ایک باقاعدہ متن سب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور سب کے لیے اس ایک متن کی پیروی لازم ٹھہرائی جاتی ہے۔ بنابرایں، اس مرحلہ پر کسی دین کے جو منابع سامنے آتے ہیں ان میں سے کوئی ایک منبع بھی اس دین کی ابتداء سے نہیں لیا جاتا بلکہ تنہا یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا یہ منابع اسی زمانے میں لکھے گئے ہیں جس میں وہ دین تشکیل پا رہا تھا۔

اس تناظر میں قرآن کریم کے حوالے سے "ونزبرو" کا دعوی یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری سے قبل قرآن کا بھی کوئی متن موجود نہ تھا؛ کیونکہ تنہا تیسری صدی ہجری ہی میں اس دور میں فقہی منابع میں ابتدائی قرآنی حوالہ جات نظر آتے ہیں اور اس سے پہلے کہیں کوئی قرآنی حوالہ نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازایں، ہمارے پاس قرآن کا اس دور سے قبل کا کوئی متن موجود بھی نہیں ہے۔ (22)

حوالہ جات

1۔ نمونہ کے طور پر اسلامی ممالک میں تاریخ قرآن پر لکھی گئی آخری کتب کا Noldeke کی لکھی تاریخ قرآن سے مقایسہ فرمائیں۔

2۔یورپی دانشوروں کے نظریات سے آشنائی کے لیے درج ذیل منابع کا مطالعہ فرمائیں:

A) Approaches to the history of the Inter pretation of the Quran, A. Rippin.

B) Introdution of the Quran, R. Bell.- collection of the Quran ,J. Burton.

C) Quranic studies, J. Wansbrough.

3۔المستشرقون والدراسات القرآنیۃ، محمد حسین علی الصغیر

4۔مذکورہ شخصیات اور ان کی تالیفات دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: رویکرد خاور شناسان بہ قرآن، ص ۸۲ تا ۸۷۔

5.۔ Muslim-Christian Encounters; Preceptions and Misperception, p. 179.180

6۔دایرۃالمعارف کتاب مقدس، ص ۷۸۔ Holy Bible Encyclopedia, p. 78

7.۔ Encyclopaedia of Quran, J.D.M.C.Auliffe, V 1, P.D 147-156

8۔رویکرد خاور شناسان بہ قرآن، ص ۱۴۳

9۔اس مطلب کی تفصیل جاننے کے لیے Arthur jeffery کی کتاب Foreign Vocabulary of the Quran اور فریدون بدرہ ای کی کتاب :قرآن میں موثر کلمات ،ملاحظہ فرمایئے۔ نیز دیکھیے آلفونس مینگانا کا مقالہ: قرآن پر سریانی زبان کی تاثیر: Mingana; Syriac Influence on the Style of the Kur'an.

10۔اس Method کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

Arthur jeffery; God and Man in the Quran; Religious Concepts in Quran & the Structure of meaning in Ethics.

11۔خلف اللہ کے نظریے کا بلاواسطہ مطالعہ کرنے کے لیے اس کی کتاب الفن القصصی فی القرآن، کا مطالعہ کیجئے۔ نیز اس نظریہ پر مختصر نقد محمد ہادی معرفت کی کتاب شبہات وردود میں ملاحظہ فرمایئے۔

12۔لوکسنبرگ کے نظریات اور ان کے نقد سے مزید آگاہی کے لیے ودیکھیے: نشر دانش، ش 107، ص ۴۵ تا ۵۶

13۔مطالعات قرآنی در غرب، مرتضی کریمی نیا۔

14۔اس حوالے سے تورآندرانہ، گیب و درمنگھام کی وحی کے بارے میں نفسیاتی تحلیلیں قابل ذکر ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رویکرد خاور شناسان بہ قرآن، ص۱۶۶تا۱۶۹۔ نیز دیکھیے:

Literary structures of religious meaning in the Quran, I .Bullata

15۔Muslim-Christian Encounters; Preceptions and Misperception, p. 46

16۔مذاہب التفسیر الاسلامی، جولد تسہر، ترجمہ عبدالحلیم نجار، قاہرہ، ص،۱۶۵

17۔آراء واندیشہ ہای محمد آرکون، محمد مہدی خلجی، ص۸

18۔Introduction to the Quran, R. Bell, Edinbrough university, 1963, P. 87

19۔Encylopaedia of Islam; V,7 p. 413

20۔اس Method کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ تفسیری، ادبی اور زبان شناسی کے منابع سے استفادہ کرتے ہوئے ایک Interdesciplaniory مطالعہ انجام دیا جائے۔ ان منابع میں سے بعض یہ ہیں:

A) Historical Linguistics; Arlature;

B) Izusto; God and Man in Quran.

C) Izusto;Literary structures of religious meaning in Quran.

21۔نقد الخطاب الاستشراقی، ساسی محمود سالم الحاج، دار المدار الاسلامی، بنغازی، لیبیا، ۲۰۰۱میلادی، ج۱، ص ۳۲۵۔

22۔گلستان قرآن، ش ۱۵۸؛ مطالعات قرآنی در غرب، کریمی نیا۔